20

سچائی کی اہمیت کو سمجھو اور کسی موقع پر بھی اس سے منحرف نہ ہو۔ ہمیشہ اس بات پر غور کرتے رہو کہ احمدیت کے نور سے تم نے کیا فائدہ اٹھایا

(فرمودہ 18 ؍اگست 1950ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"گو کوئٹہ سے یہاں آنے کے بعد آہستہ آہستہ دردوں کو افاقہ ہو رہا ہے لیکن ابھی مَیں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کچھ چل سکتا ہوں لیکن کھڑے ہوتے وقت گھٹنے بوجھ برداشت نہیں کرتے اس لئے ابھی مجبوراً مجھے بیٹھ کر خطبہ دینا پڑتا ہے۔

میں جماعت کو دیر سے توجہ دلا رہا ہوں کہ ہر جماعت اپنے ساتھ کچھ خصوصیتیں رکھتی ہے۔ جب تک وہ خصوصیتیں اس جماعت کے لوگ اپنے اندر پیدا نہ کریں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک دلیل اور عقل کا سوال ہے وہ خدا مہیا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ساری عقل کی باتیں موجود ہیں اور قرآن کریم میں ساری دلیلیں موجود ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں ساری عقل کی باتیں موجود ہیں اور باوجود اس کے کہ قرآن کریم میں ساری دلیلیں موجود ہیں پھر بھی قرآن کریم کو دنیا کے اکثر لوگ نہیں مانتے۔ عیسائیوں اور یہودیوں اور بدھوں اور ہندوؤں اور دوسرے غیر مذاہب کے لوگوں کو اگر اکٹھا کیا جائے تو وہ مسلمانوں کی تعداد سے کئی گُنے زیادہ ہیں۔

حالانکہ اگر یہودی کتب یا عیسائی کتب یا ہندوؤں کی کتب یا زرتشتی کتب یا کنفیوشس کی کتب یا بدھوں کی کتب کو جمع کیا جائے اور ان کی معقولیت کو دیکھا جائے تو ان میں معقولیت بہت ہی کم رہ گئی ہے اور دلیل کا تو حصہ ان میں ہے ہی نہیں۔ لیکن لوگ اُن بے دلیل باتوں کو ماننے کے لئے تیار ہو جائیں گے، ان غیر معقول باتوں کو ماننے کے لئے تیار ہو جائیں گے اور قرآن کریم کی معقول اور با دلیل باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خالی دلیل اور معقولیت کام نہیں دیتی۔ بلکہ اس کے ساتھ کسی اَور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے اس نے لنگوٹی باندھی ہوئی ہوتی ہے، اس کے سر پر پھٹی پرانی پگڑی ہوتی ہے، اس کے شملہ 1 میں بیس شگاف ہوتے ہیں اور اس کے سر پر جو پگڑی کا حصہ بندھا ہوا ہوتا ہے اس میں بھی کئی جگہ سوراخ نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بڑے مدلّل طریق سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ کیمیا ایک یقینی مسئلہ ہے اور سونا بنایا جاسکتا ہے۔ کچھ بےوقوف تو اسے ایسے ضرور مل جائیں گے جو نہ اُس کی لنگوٹی دیکھیں گے نہ اُس کی پھٹی پرانی پگڑی دیکھیں گے اور گھر سے سونا لا کر اُس کے حوالہ کر دیں گے کہ اسے کئی گُنے کر دیا جائے۔ لیکن اکثر حصہ شہر کا ایسا ہوتا ہے جو ہنس پڑتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تمہیں کیمیا کا علم آتا ہے تو تم نے لنگوٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟ تمہارے سر پر یہ پھٹی پرانی پگڑی کیوں ہے؟ ہمیں کیمیا نہیں آتی لیکن ہم نے تہہ بند پہنا ہوا ہے یا پاجامہ یا شلوار پہنی ہوئی ہے اور ہمارے سر پر تمہاری پگڑی سے کئی درجے بہتر پگڑی موجود ہے۔ ایسی صورت میں ہم تمہاری دلیلوں کو کیا کریں۔ دلائل پیش کرتے وقت تو وہ لوگ بعض دفعہ ایسی ایسی دلیلیں دیتے ہیں کہ معمولی علم رکھنے والا انسان حیران رہ جاتا ہے۔ انہیں سائنس کے جدید نظریات کا بھی کچھ علم ہوتا ہے۔ وہ اخبارات اور رسالوں وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اور جب گفتگو کا موقع آئے وہ بڑے زور سے بیان کرتے ہیں کہ جرمنی کے فلاں سائنس دان نے سونا بنانے کا دعویٰ کیا ہے۔ تم پہلے ان باتوں کو سن کر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ سونا نہیں بن سکتا۔ لیکن اب ایک سائنس دان نے سونا بنا کر دکھا دیا ہے۔

پھر وہ اپنی تائید میں ایٹم بم کو پیش کرتے ہیں۔ ایٹم بم کی ساری تھیوری ہی اس بات پر ہے کہ ایک قسم کے جوہر کو دوسرے جوہر میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور جب جوہر تبدیل کیا جاسکتا ہے تو تانبا یا چاندی کو بھی سونے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ غرض ان کی دلیلیں بڑی معقول ہوتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں تم ہم

سے کیا پوچھتے ہو سائنس دانوں سے پوچھو کہ کیا یہ بات دنیا میں ثابت ہوگئی ہے یا نہیں کہ ایک دھات کو دوسری دھات میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور کیا یہ درست نہیں کہ ایک جرمن سائنس دان نے گورنمنٹ کی لیبارٹریوں میں سونا بنالیا ہے۔ اور چونکہ یہ باتیں درست ہوتی ہیں اس لئے بہت سے بے وقوف یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ شاید وہ بھی سونا بنانا جانتے ہیں۔ حالانکہ اصل سوال یہ نہیں کہ سونا بن سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ ہمارا جس چیز سے واسطہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص جو ہمارے سامنے کیمیا گری کا دعویٰ پیش کر رہا ہے وہ خود سونا بنا سکتا ہے یا نہیں۔ آخر وہ جو ہمارے پاس آیا ہے تو ہمارا پروفیسر بن کر نہیں آیا بلکہ ہمیں اپنے علم وفن کا نمونہ دکھانے آیا ہے اور اس کا ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ خود اس کی حالت اچھی ہو۔ مگر اس کا سارا زور اِسی بات پر رہتا ہے کہ سونا بن سکتا ہے اور آخر میں وہ دوسروں کا زیور اُڑا کر اپنے گھر کی طرف چل پڑتا ہے۔ اس کی دلیلیں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص کہیں باہر جا رہا تھا کہ راستہ میں زور سے ایک بگولا اٹھا جس نے اسے اٹھا کر باغ میں پھینک دیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اُس باغ سے نکلا تو اس نے اپنے سر پر انگوروں کا ایک ٹوکرا اٹھایا ہوا تھا جسے لے کر وہ اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں اسے باغ کا مالک مل گیا۔ باغ کے مالک نے جو دیکھا کہ وہ انگوروں کا ٹوکرا اپنے سر پر اٹھائے ہوئے گھر کی طرف جا رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ چوری کے انگور ہیں کیونکہ وہاں اَور کوئی باغ تھا ہی نہیں۔ اس نے فوراً اسے روک لیا اور کہا تم میرے باغ سے یہ انگور چُرا کر کیوں لے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ آپ ناراض نہ ہوں پہلے میری بات سن لیں اور پھر جو چاہیں کہیں۔ اس نے کہا بہت اچھا پہلے اپنی بات سنالو۔ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میں سڑک پر جا رہا تھا کہ ایک بگولا اٹھا اور اس نے مجھے اڑا کر آپ کے باغ میں پھینک دیا۔ بتائیے کیا اس میں میرا کوئی قصور ہے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ کہنے لگا پھر میں آپ کے باغ میں ہی کھڑا تھا کہ ایک دوسرا بگولا آیا اور میں پھر اُڑنے لگا۔ ایسی حالت میں لازماً انسان اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ میں نے بھی اِدھر اُدھر ہاتھ مارے تو اتفاقاً جہاں میں آکر رُکا اور جہاں میرے ہاتھ لگے وہاں انگوروں کے خوشے تھے۔ اِدھر ہاتھ مارتا تو اِدھر کے انگور گر جاتے اور اُدھر ہاتھ مارتا تو اُدھر کے انگور گر جاتے۔ بتائیے کیا اِس میں میرا کوئی قصور ہے؟ باغ کے مالک نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ اس نے کہا اب آگے سنیے۔ جب انگور گرے تو اتفاقاً نیچے ایک ٹوکرا پڑا ہوا تھا۔ سارے انگور اس میں اکٹھے ہو گئے اور وہ بھر گیا۔ بتائیے میرا اس میں کوئی قصور ہے؟ باغ کے

مالک نے کہا یہ تو ساری باتیں ٹھیک ہیں۔ میں نے مان لیا کہ بگولا آیا اور اس نے اٹھا کر تمہیں میرے باغ میں پھینک دیا۔ میں نے یہ بھی مان لیا کہ تم نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ پاؤں مارے تو انگور گر گئے۔ میں نے یہ بھی مان لیا کہ اُس وقت نیچے ٹوکرا پڑا تھا جس میں انگور جمع ہوتے گئے۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ کس نے کہا تھا کہ انگوروں کا ٹوکرا اٹھا کر گھر کی طرف چل پڑو۔ وہ کہنے لگا بس یہی بات میں بھی سوچتا چلا آ رہا تھا کہ یہ بات کیا ہوئی کہ انگور کسی کے، ٹوکرا کسی کا اور میں اسے اٹھا کر اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوں۔ یہی سوال ہمارا کیمیا گر سے ہوتا ہے کہ ہماری تو یہ بحث ہی نہیں کہ سونا بن سکتا ہے یا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ تمہیں سونا بنانا آتا ہے یا نہیں؟ مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ تم نے خود لنگوٹی باندھی ہوئی ہے اور ہمارا گھر سونے کا بنانے آ گئے ہو۔ تو حقیقت یہ ہے کہ کسی کا کوئی دلیل پیش کر دینا اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا جب تک وہ دلیل عملی طور پر اس شخص یا گروہ یا جماعت پر چسپاں نہ ہوتی ہو۔

یہ تو ہر مذہبی انسان کہتا ہے کہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا کرتا ہے۔ ہندو بھی یہی کہتے ہیں، عیسائی بھی یہی کہتے ہیں، زرتشتی بھی یہی کہتے ہیں، یہودی بھی یہی کہتے ہیں، کنفیوشس کے پَیرو بھی یہی کہتے ہیں اور مسلمان بھی یہی کہتے ہیں۔ اب خالی یہ کہہ دینے سے کہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا کرتا ہے یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ کہنے والے کا اپنا مذہب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر کسی ہندو یا بدھ سے یہ پوچھا جائے کہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے یا نہیں؟ اور وہ کہہ دے کہ مذہب ہمیشہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارا مذہب سچا ہے؟ وہ کہے گا کہ میں تو یہ مانتا ہوں کہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے مگر اس سے یہ کیونکر نتیجہ نکل آیا کہ تمہارا مذہب سچا ہے۔ تو محض کسی بات کا معقول ہونا یا محض کسی بات کا مدلّل ہونا کافی نہیں ہوتا بلکہ دیکھنے والی بات یہ ہوتی ہے کہ وہ مدلّل اور معقول بات کہنے والے پر بھی چسپاں ہوتی ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک عیسائی ہم سے پوچھتا ہے کہ دین نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کا معقول جواب دیں اور بتائیں کہ ہمیں دین پر عمل کرنے سے یہ فوائد پہنچتے ہیں۔ دین کا فائدہ لازماً یا تو دنیا سے تعلق رکھتا ہو گا یا روحانیت سے تعلق رکھتا ہو گا۔ اگر کہو کہ دین پر عمل کرنے سے ہم نے دنیا کا فلاں فلاں فائدہ حاصل کیا ہے تو وہ کہے گا کہ تم نے تو لنگوٹی باندھی ہوئی ہے اور میں اعلیٰ درجہ کا لباس رکھتا ہوں۔ تم کچے مکانوں میں رہتے ہو اور میں مضبوط کوٹھیوں میں رہتا ہوں۔ دشمن کے اِس اعتراض

سے بچنے کے لئے تم یہ کہا کرتے ہو کہ دین کا فائدہ روحانیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ روحانیت کیا چیز ہے؟ اور آیا وہ ہم میں پائی بھی جاتی ہے یا نہیں؟ اگر کہو کہ دین کے نتیجہ میں جنت ملتی ہے تو وہ کہے گا کہ یہ تو میرا بھی اعتقاد ہے کہ مجھے جنت ملے گی۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں دین سے حاضر فائدہ کیا حاصل ہوا؟ اگر کہو کہ ہم نمازیں پڑھتے ہیں تو وہ کہے گا کہ نمازیں میں بھی پڑھتا ہوں۔ اگر تم کہو کہ ہم روزے رکھتے ہیں تو وہ کہے گا کہ میں بھی روزے رکھتا ہوں۔ اور واقع یہ ہے کہ اِس قسم کی عبادات تمام مذاہب میں پائی جاتی ہیں۔ ہندوؤں میں بھی ہیں، یہودیوں میں بھی ہیں، عیسائیوں میں بھی ہیں، زرتشتیوں میں بھی ہیں۔ پھر تمہارا کیا حق ہے کہ تم کہو کہ ہماری نماز اچھی ہے اور تمہاری نماز اچھی نہیں۔ اور اگر تم دلیل سے ثابت بھی کردو کہ ہماری نماز اچھی ہے تو وہ کہے گا کہ اصل چیز تو نتیجہ ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہیں ان نمازوں سے حاصل کیا ہوا۔ مثلاً اگر تم ثابت کردو کہ زمین کے اندر فلاں فلاں کیمیکلز پائے جاتے ہیں جن کے نتیجہ میں شکر پیدا ہوتی ہے تو پھر کیونکر اس سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ سرکنڈا میٹھا ہوتا ہے۔ تو گو یہ بات درست ہوگی کہ زمین میں بعض کیمیاوی چیزیں پائی جاتی ہیں اور یہ بات بھی درست ہوگی کہ انہی کے نتیجہ میں شکر پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ بات بھی درست ہوگی کہ یہ شکر کسی نہ کسی پودے میں جائے گی۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ آیا سُننے والا سرکنڈے کو چُوسے گا یا نہیں کہ کیا وہ فی الواقع میٹھا ہے یا مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔ جب وہ سرکنڈا چوسے گا تو اس میں اسے کوئی مٹھاس نظر نہیں آئے گی۔ لیکن جب وہ گنّا چوسے گا تو اس میں سے یقینی طور پر مٹھاس محسوس ہوگی۔ اب جہاں تک سائنس کا تعلق ہے یہ بات درست ہے کہ زمین میں بعض کیمیاوی مادے پائے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی صحیح ہوگی کہ جس چیز میں وہ کیمیاوی مادے چلے جائیں وہ میٹھی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات غلط ہوگی کہ سرکنڈا میٹھا ہوتا ہے کیونکہ سرکنڈے نے وہ مادہ نہیں چُوسا صرف گنّے نے چُوسا ہے۔ اِسی طرح خواہ ہم دلائل کے زور سے یہ ثابت کرتے چلے جائیں کہ اسلام اپنے اندر فلاں فلاں خوبیاں رکھتا ہے پھر بھی یہ سوال قابلِ حل رہ جائے گا کہ اسلام پر عمل کر کے ہم نے کیا پایا؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک دفعہ مولوی برہان الدین صاحب قادیان آئے۔ مولوی صاحب اہلحدیث کے بڑے لیڈر تھے۔ احمدیت قبول کرنے کے بعد قوم نے ان کو چھوڑ دیا اور وہ غربت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کا طریقہ تصوف کا سا تھا۔ کمائی بھی نہیں کیا کرتے تھے۔

لوگوں کو قرآن وغیرہ پڑھا دیتے تھے جس پر کسی نے کچھ دے دیا اور کسی نے کچھ بھی نہ دیا۔ لیکن اپنے زمانہ میں وہ اہلحدیث کے لیڈر تھے اور ہزاروں ہزار لوگ ان کے متبع تھے۔ بعد میں ان کے ماننے والوں میں سے ہزاروں احمدی بھی ہوئے۔ اہلحدیث فرقہ کے لوگوں میں باتیں زیادہ ہوتی ہیں اور روحانیت کم ہوتی ہے۔ وہ دین کے صرف ظاہری تتبّع کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کا مغز حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ٹخنوں سے پاجامہ ذرا نیچا ہوا تو اعتراض کر دیا۔ یا ہاتھ سینہ پر نہ باندھنے اور آمین نہ کہنے پر جھگڑنے لگ گئے۔ اسی طرح شریعت کے ظاہر پر وہ خوب عمل کریں گے لیکن روحانیت کا خانہ ہمیشہ خالی رہے گا اور قلب کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کریں گے۔ صوفیاء اس کے بالکل اُلٹ چلتے ہیں وہ قلب قلب کہتے رہتے ہیں اور ظاہر کو بیکار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح خالی برتن ایک بیکار چیز ہے اسی طرح دودھ بھی بغیر برتن کے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ جس طرح وہ شخص غلطی پر ہے جو خالی برتن کو کافی سمجھتا ہے اسی طرح وہ شخص بھی غلطی پر ہے جو دودھ کے لئے برتن ضروری نہیں سمجھتا۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ روحانیت ہی اصل چیز ہے جسمانیت کی طرف کوئی توجہ نہیں رکھنی چاہیے وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو روحانیت سے غافل ہیں اور جسمانیت پر ہی زور دیتے چلے جاتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔ بہر حال جس قوم سے ان کا تعلق تھا وہ صرف ظاہری باتوں کی طرف توجہ رکھتی تھی۔ جب وہ احمدی ہوئے تو انہوں نے یہ باتیں سنّی شروع کیں کہ اسلام پر عمل کرنے سے خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوتا ہے، انسان اس کے کلام اور الہام سے حصہ پاتا ہے، اس کی محبت اور پیار کے نشانات مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ احمدی ہوتے وہ بھی یہی باتیں کرتے کہ احمدی ہو کر ہم نے خدا تعالیٰ کا یہ نشان دیکھا ہے، ہم نے اِس اِس طرح اس کے الہامات سے حصہ پایا ہے اور یہ باتیں ان کے لئے بالکل نئی تھیں۔

ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجلس میں انہی امور پر گفتگو فرما رہے تھے کہ باتیں سنتے سنتے مولوی برہان الدین صاحب رو پڑے۔ ان کی طبیعت بے تکلف تھی اس لئے جس طرح بچہ چیخیں مارتا ہے وہ بھی بے تحاشا چیخیں مار کر رونے لگ گئے۔ اب ساری مجلس حیران تھی کہ ان کو کیا ہو گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی پوچھا کہ مولوی صاحب کیا ہوا؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سمجھا کہ شاید کسی قریبی عزیز کے مرنے کی انہیں خبر آئی ہے جس کو یہ برداشت نہیں کر سکے۔ آخر کئی منٹ کے بعد ان کے جذبات قابو میں آئے اور وہ کہنے لگے حضور! میں یہاں آتا ہوں تو کچھ لوگ

سناتے ہیں کہ حضور کی بیعت کے بعد ان پر یہ یہ فضل نازل ہوئے، اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوا، اس طرح اس کے نشانات کو انہوں نے دیکھا، اس اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اور پھر آپ کی مجلس میں آتا ہوں تو آپ بھی یہی بتاتے ہیں کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی کر جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس سے یوں باتیں کرتا ہے، اِس اِس طرح اس کی تائید میں اپنے نشانات ظاہر کرتا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ میں نے آپ کی بیعت کی ہوئی ہے ابھی میرے اندر کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ وہ ٹھیٹھ پنجابی میں گفتگو کیا کرتے تھے گفتگو کرتے کرتے مولوی صاحب کہنے لگے حضور! اتنی مدت میری بیعت پر گزر چکی ہے مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ میں پھر بھی جُھڈّو دا جُھڈّو ہی رہا۔ یعنی میں پھر بھی بیکار وجود ہی رہا اور مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں انہوں نے روحانیت میں ترقی کر لی۔ مگر چونکہ اہلحدیث ہونے کی وجہ سے ابتدا میں ان کی زبان محض چسکا کی عادی تھی اس لئے کچھ مدت تک احمدیت میں بھی انہوں نے زبان کا چسکا ہی لیا۔ مگر چونکہ دل میں ایمان تھا اس لئے وہ اپنی اس حالت پر گھبرائے اور انہوں نے نہایت درد کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ حضور! آپ آئے اور آپ کی آمد سے ہزارہا لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور وہ خدا تعالیٰ کے قُرب میں بڑھ گئے۔ مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ اتنے بڑے انعام کے باوجود میں پھر بھی جُھڈّو دا جُھڈّو ہی رہا اور میرے اندر کوئی تغیر پیدا نہ ہوسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال ایک اہم ترین سوال ہے اور ہمیں ہمیشہ اس بات پر غور کرتے رہنا چاہیے کہ احمدیت کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا ایک نور تو نازل ہوا مگر ہم نے اس نور سے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً پانچ سات موٹی موٹی چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ اخلاق کے لئے مثال کے طور پر کام دیتی ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان باتوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ان میں **ایک چیز** جو درحقیقت مومن کا ایک نشان ہے وہ سچائی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری جماعت کے لوگ اس کی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ بات کہیں گے تو خواہ جہالت سے سہی، غفلت اور نادانی سے سہی ان کی بات سولہ آنے سچی نہیں ہوتی کچھ نہ کچھ جھوٹ اس بات کو خوبصورت بنانے کے لئے اس میں ضرور ملا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے نشانات بیان کرنے لگیں گے تو مبالغہ کر دیں گے۔ جماعت کی تعداد بیان کرنے لگیں گے تو مبالغہ کر دیں گے۔ اپنی مظلومیت کا ذکر کرنے لگیں گے تو مبالغہ کر دیں گے۔ مثلاً

کسی نے دس تھپڑ مارے ہوں تو یہ بارہ ضرور کہیں گے۔ حالانکہ کسی کو ظالم ثابت کرنے کے لئے دس یا بارہ تھپڑوں کا کیا ذکر ہے اگر کسی نے ناواجب طور پر ایک تھپڑ بھی مارا ہو تو اس کا ظلم ثابت ہے۔ مگر اتنی بات سے ان کی تسلی نہیں ہوتی اور وہ مبالغہ سے کام لینے لگ جاتے ہیں۔ یا کہیں گے کہ فلاں نے تو مار مار کر ادھ مؤا کر دیا ہے اور اس طرح بڑھا کر بات کرنے کی کوشش کریں گے۔

مجھے یاد ہے جب میں حج کے لئے گیا تو چونکہ اُس وقت میری عمر چھوٹی تھی حضرت خلیفہ اول نے یہ پسند فرمایا کہ عبدالحی صاحب عرب بھی میرے ساتھ ہوں۔ آپ کا منشاء تھا کہ میں مصر میں رہ کر عربی علوم کی تکمیل کروں۔ مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ عبدالحی صاحب عرب عراق کے رہنے والے تھے اور وہ شیعوں میں سے احمدی ہوئے تھے اور شیعوں میں مبالغہ سُنیوں سے کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ ہم جدہ میں سیٹھ ابوبکر صاحب کے ہاں رہا کرتے تھے۔ وہاں ایک دن کوئی عرب تاجر ملنے کے لئے آیا اور عبدالحی صاحب عرب نے اسے تبلیغ شروع کی۔ ایک بڑا سا ہال کمرہ تھا جس کے ایک طاقچہ میں مَیں بیٹھا ہوا تھا اور دوسرے طاقچہ میں عبدالحی صاحب عرب (وہاں دیوار میں بڑے بڑے محراب بنے ہوئے ہوتے ہیں جن میں لوگ بیٹھتے ہیں) اسے تبلیغ کر رہے تھے۔ میں کسی کتاب کے پڑھنے میں مشغول تھا کہ یکدم میں نے محسوس کیا کہ جیسے کسی اہم معاملہ پر انسان کو جوش آ جاتا ہے اور اس کی روح میں ایک اشتعال کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اِسی قسم کی کیفیت عبدالحی صاحب عرب کی ہے اور میں نے دیکھا کہ وہ عرب تاجر جسے وہ تبلیغ کر رہے تھے سخت سہما ہوا اُن کے سامنے بیٹھا ہے اور اُس کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ بات یہ ہوئی کہ عبدالحی صاحب عرب اسے لیکھرام کا واقعہ سُنا رہے تھے اور سُنا اس طرح رہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیکھرام کے قتل کے لئے ایک خاص سال اور تاریخ مقرر کر دی تھی اور بتا دیا تھا کہ فلاں سال فلاں مہینہ میں فلاں تاریخ کو ٹھیک اتنے بجے یہ شخص مارا جائے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکے گی۔ چونکہ تمام آریوں کو اس پیشگوئی کا علم تھا اس لئے جب وہ دن آیا تو لیکھرام کے مکان کے اردگرد پولیس نے گھیرا ڈال لیا اور گھر کے اندر لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی۔ بلکہ سیڑھیوں میں بھی پولیس کھڑی کر دی گئی اور لیکھرام سے انہوں نے کہہ دیا کہ تم کمرہ میں زنجیر لگا کر بیٹھ رہو تا کہ کوئی شخص تم پر حملہ نہ کر سکے۔ لیکن جب وہ وقت آیا جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خبر دی تھی اور جب آریہ خوش تھے کہ اب یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے گی، جب مکان کے چاروں طرف

پولیس کا محاصرہ تھا، سیڑھیوں میں بھی پولیس بیٹھی ہوئی تھی اور لیکھرام کُنڈا لگا کر کمرہ کے اندر چُھپا ہوا تھا اوراس کے قتل کا کوئی امکان نہیں تھا یکدم چھت پھٹی اور ایک فرشتہ تلوار لے کر اُترا اور اُس نے لیکھرام کو قتل کر دیا۔ یہ قصہ انہوں نے الف لیلہ کے انداز میں اس طرح سجا سجا کر بیان کیا کہ جب وہ اس کے آخری حصہ پر پہنچے کہ باوجود اتنے سخت انتظامات کے چھت پھٹی اور ایک فرشتہ تلوار لے کر اترا اوراس نے لیکھرام کا پیٹ چاک کر دیا تو یکدم وہ عرب چونک اٹھا اور اِس واقعہ کی ہیبت سے متاثر ہو کر اُس کے منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اور وہ اس طرح سہم گیا کہ گویا اگر اس نے انکار کیا تو فرشتہ ابھی اتر کر اس کے پیٹ میں بھی خنجر مار دے گا۔ میں نے جب یہ باتیں سنیں تو انہیں کہا عبدالحی! تبلیغ میں بھی تم جھوٹ بولتے ہو!! وہ کہنے لگے کیا پیشگوئی نہیں تھی؟ میں نے کہا پیشگوئی تو تھی مگر سوال یہ ہے کہ خدا نے کہا تھا یہ شخص چھ سال میں مارا جائے گا اور تم کہتے ہو انہوں نے ایک خاص سال اور خاص مہینہ اور خاص دن مقرر کر دیا تھا۔ پھر جو واقعات ہیں وہ تو یہ ہیں کہ ایک شخص لیکھرام کے پاس گیا، دروازے کھلے تھے، اس کے بیوی بچے بھی موجود تھے کہ اس نے خنجر مارا اور غائب ہو گیا۔ بے شک فرشتہ کا لفظ استعمال کیا گیا تھا مگر فرشتے کے یہ معنے تھے کہ جیسے فرشتہ پکڑا نہیں جاتا اُسی طرح وہ پکڑا نہیں جائے گا۔ پھر میں نے کہا کہ تم کہتے ہو کہ چھت پھٹی اور فرشتہ اُترا حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اِسی طرح تم کہتے ہو کہ باہر پولیس کا پہرہ تھا یہ بھی جھوٹ ہے۔ وہ کہنے لگا جب انہیں پتہ لگا ہوگا کہ اس طرح پیشگوئی کی گئی ہے تو کیا انہوں نے پہرے مقرر نہیں کئے ہوں گے؟ میں نے کہا "ہوں گے" کا کیا سوال ہے دیکھنا تو یہ ہے کہ ہوا کیا تھا۔ غرض تبلیغ میں بھی بعض دفعہ جھوٹ بولا جاتا ہے۔

اسی طرح جماعت کی تعداد بتانی ہو تو کہیں گے ہماری تعداد دس لاکھ ہے یا بارہ لاکھ ہے یا پندرہ لاکھ ہے۔ جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں تو میں کہا کرتا ہوں کہ مجھے تو پتہ نہیں شاید انہوں نے مردم شماری کروائی ہوئی ہو۔ حالانکہ دس کیا اور دس لاکھ کیا۔ اصل چیز جو دیکھنے والی ہے وہ تو یہ ہے کہ آیا جماعت میں سچائی پائی جاتی ہے یا نہیں؟ یا احمدیت سچی تعلیم پیش کر رہی ہے یا جھوٹی؟ اگر ہم دس آدمی ہوں اور خدا تعالیٰ ہماری تائید کر رہا ہو تو یہی ہماری صداقت کی دلیل ہے۔ دس لاکھ ہونے سے کونسی زائد بات ثابت ہو سکتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم تھوڑے ہوں اور پھر بھی سارے جہان میں تبلیغِ اسلام کر رہے ہوں تو یہ ہماری صداقت کی ایک اَور بھی واضح دلیل بن جائے گی۔ فرض کرو ہم بیس ہزار ہیں

مگر ہمارے چار پانچ مشن امریکہ میں ہیں، دس بیس ویسٹ افریقہ میں ہیں، پانچ سات ایسٹ افریقہ میں ہیں، اِسی طرح شام میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، لبنان میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، ماریشس میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے اَب پھر وہاں مبلغ جا رہا ہے۔ ملایا میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، انڈونیشیا میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، انگلستان میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، سوئٹزر لینڈ میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، فرانس میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے، سپین میں ہمارا مشن کھلا ہوا ہے۔ تو یہ بہت بڑا معجزہ ہوگا کہ اتنی قلیل تعداد کے ہوتے ہوئے ہم نے اتنے مشن کھول رکھے ہیں۔ لیکن جتنے آدمی زیادہ ہوتے چلے جائیں اتنا ہی معجزہ چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔ مسلمانوں کو ہی دیکھ لو وہ چالیس پچاس کروڑ ہیں مگر چالیس پچاس کروڑ ہونے سے ان کی عزت میں کونسا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم بہت ہی تھوڑے ہیں مگر چونکہ ہم کام کر رہے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارا رُعب ہے۔ غرض ہماری جماعت کے افراد میں یہ ایک نقص پایا جاتا ہے کہ وہ پوری سچائی سے کام نہیں لیتے بلکہ باتوں میں مبالغہ سے کام لینے لگ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی تبلیغ میں سُستی آ جاتی ہے۔ اسے کہتے ہیں مکڑی جالا تنتی ہے اور پھر آپ ہی اس میں پھنس جاتی ہے۔ اسی طرح ہماری جماعت کے بعض افراد بھی پہلے جھوٹ بول کر کہیں گے کہ ہماری تعداد دس لاکھ ہے اور پھر یہ اندازہ لگانے بیٹھ جائیں گے کہ اگر دو روپے بھی فی آدمی چندہ دے تو تیس لاکھ روپیہ چندہ آ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ایک میرے چندہ نہ دینے سے کیا نقصان ہوسکتا ہے۔ گویا پہلے خود ہی ایک جھوٹ بولا اور پھر خود ہی نفس کو اجازت دے دی کہ اب میرے چندہ نہ دینے سے کوئی نقصان نہیں اور اس طرح اپنی ساری ذمہ داریوں کو ختم کر لیا۔

حضرت خلیفہ اول کا طریق تھا کہ جب آپ بیمار ہوتے اور لوگوں کا جمگھٹا برداشت نہ کر سکتے تو بعض دفعہ جب آپ اپنی طبیعت میں ضُعف محسوس کرتے مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے فرما دیا کرتے تھے کہ میری طبیعت اچھی نہیں آپ لوگ اب تشریف لے جائیں۔ اس پر مجلس میں اگر مثال کے طور پر چالیس آدمی ہوتے تو دس اٹھ کر چلے جاتے اور تیس پھر بھی بیٹھے رہتے۔ آپ تھوڑی دیر کے بعد پھر فرماتے کہ میری طبیعت خراب ہے دوست اب تشریف لے جائیں۔ اِس پر دس اَور آدمی اٹھ کھڑے ہوتے اور چلے جاتے۔ پھر کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد آپ فرماتے اب بہت ضُعف ہو رہا ہے میں بیٹھ نہیں سکتا دوست اب چلے جائیں۔ اِس پر دس اَور چلے جاتے مگر دس آدمی پھر بھی بیٹھے

رہتے۔ آخر خلیفہ اول فرماتے کہ اب نمبردار بھی چلے جائیں۔ تو کچھ لوگ اپنے آپ کو نمبردار فرض کرلیا کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کے لئے اَور حکم ہے اور ہمارے لئے اَور حکم ہے۔ جب لوگ جماعت کی تعداد کے بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تعداد پندرہ لاکھ ہے یا بیس لاکھ ہے تو کچھ لوگ نمبردار بننے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ جب اتنے لوگ چندہ دے رہے ہیں تو ہمارے چندہ نہ دینے سے کیا نقصان ہوسکتا ہے۔ غرض کہیں چندوں میں کمی آنی شروع ہو جاتی ہے کیونکہ سمجھا جاتا ہے کہ پندرہ لاکھ آدمی چندہ دے رہا ہے۔ کہیں تبلیغ میں سُستی آجاتی ہے کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ پندرہ لاکھ آدمی تبلیغ کر رہا ہے اور اس طرح جماعت کا ایک بڑا حصہ اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے لگ جاتا ہے اور یہ سارا نتیجہ جھوٹ کا ہوتا ہے۔ حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ گو ہم نے کبھی مردم شماری نہیں کرائی لیکن ہمارے اندازہ میں جماعت کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ اگر باہر کی جماعتوں کو ملا لیا جائے تو یہ تعداد تین لاکھ تک پہنچ جائے۔ حد سے حد جس سے اوپر جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں وہ چار لاکھ ہے۔ لیکن اب تو مبالغہ کرتے کرتے جماعت کے بعض لوگ جب اپنی تعداد بتاتے ہیں تو پچیس لاکھ تک بتادیتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ جماعت کی تعداد کتنی ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ میرے اندازہ میں پاکستان، ہندوستان میں دو لاکھ کے قریب ہے۔ اس نے کہا کہ فلاں مبلغ نے تو مجھے پچیس لاکھ تعداد بتائی تھی۔ میں نے اُس مبلغ کو چٹھی لکھی کہ تم نے کب جماعت کی مردم شماری کروائی تھی؟ اور اگر کروائی تھی تو پھر تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی کہ جماعت کی تعداد پچیس لاکھ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ آج سے پچیس سال پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ ہماری تعداد دس لاکھ ہے۔ کیا اس عرصہ میں اتنی بھی تعداد نہ بڑھی ہوگی کہ جماعت دس لاکھ سے پچیس لاکھ تک ہوگئی ہو؟ گویا آج سے پچیس سال پہلے ایک غلطی ہوگئی تھی اس لئے یہ فرض کرلیا گیا کہ اب جماعت پچیس لاکھ تک پہنچ گئی ہوگی۔ یا یوں کہہ لو کہ انہوں نے خیال کیا کہ اگر سچ ترقی کرتا ہے تو جھوٹ کیوں نہ ترقی کرے۔ اسے بھی ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں نے اس مبلغ کو لکھا یہ تو بالکل جھوٹ ہے۔ اگر دوسرے لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو اُن کو دیکھ کر ایک مبلغ کو تو جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو طاقت سچائی کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی اَور چیز کو حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارا فرض ہے

کہ یا تو ہم یہ کہیں کہ ہمیں جماعت کی تعداد کا صحیح علم نہیں اور یا وہ تعداد بتائیں جو ہمارے اندازہ کے قریب قریب ہو۔ میں نے بتایا ہے کہ میرا اندازہ دو لاکھ کے قریب ہے۔ اب اگر یہ اندازہ درست ہے اور جماعت کی تعداد دو لاکھ ہی ہے تو اس تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے دل میں جو درد پیدا ہوگا وہ پچیس لاکھ کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ تعداد تو اتنی بڑی ہے کہ اگر ہماری جماعت واقع میں پچیس لاکھ تک پہنچ جائے تو بہت بڑا انقلاب پیدا کر دے۔ پچیس لاکھ کے یہ معنی ہیں کہ ہماری تعداد سکھوں سے نصف ہو جائے۔ مگر چونکہ ہمارے اندر ان سے بہت زیادہ تنظیم پائی جاتی ہے اس لئے لازماً اگر ہماری جماعت پچیس لاکھ تک پہنچ جائے تو ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ کچھ کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو پچاس لاکھ ہونے کے باوجود سکھ نہیں کر سکے۔ مگر اب چونکہ جھوٹ بولا جاتا ہے کہ ہماری تعداد پچیس لاکھ ہے اس لئے بجائے کوئی فائدہ ہونے کے اَور نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ کہنے والا تبلیغ چھوڑ دیتا ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ پچیس لاکھ آدمی تبلیغ کر رہا ہے اگر میں نے تبلیغ نہ کی تو کیا ہوا۔ دوسرا نقص یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسا شخص چندہ میں سُست ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ پچیس لاکھ آدمی چندہ دے رہا ہے اگر میں نے چندہ نہ دیا تو کیا ہوا۔ اسی طرح اَور کئی قسم کے نقائص پیدا ہو جاتے ہیں جن سے اُس کا ایمان بھی کمزور ہوتا ہے اور اسلام اور احمدیت کی تبلیغ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ پس آپ لوگوں کو ہمیشہ اپنی باتوں میں سچائی اختیار کرنی چاہیے اور جھوٹ کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جھوٹ ایک ایسی چیز ہے اگر میرا کوئی عزیز دوست اس کا ارتکاب کرتا رہا ہو تو ناممکن ہے کہ مجھے اس کا علم نہ ہو کیونکہ جھوٹ بولنے والا کسی ایک بات میں جھوٹ نہیں بولتا بلکہ کئی باتوں میں جھوٹ بولتا ہے اور کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں جن سے انسان یہ اندازہ لگا لیتا ہے کہ اسے جھوٹ کی عادت ہے۔ اگر تمام لوگ یہ عہد کر لیں کہ انہیں جب بھی کسی دوست یا عزیز کا جھوٹ معلوم ہوگا تو وہ اسے فوراً چھوڑ دیں گے اور ہماری جماعت کے تمام دوست اس احساس کو ہمیشہ زندہ رکھیں اور جھوٹ سے ایسی نفرت اختیار کریں کہ انہیں اپنے کسی گہرے دوست کی محبت کی اس کے مقابلہ میں ذرا بھی پروا نہ ہو۔ تو مَیں سمجھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ پانچ سات سال کے اندر اندر یہ عیب ہماری جماعت میں سے مٹ سکتا ہے۔ جس طرح ایک کوڑھی کو تندرستوں سے الگ کر دیا جاتا ہے اس طرح جھوٹے شخص کو فوراً

الگ کر دینا چاہیے۔ اور اُس وقت تک اُس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے جب تک وہ توبہ نہ کرے اور اپنی حالت کی اصلاح نہ کرے۔ دوسرے شخص کو جھوٹ پر دلیری اِسی لئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے میرا دوست میرا ساتھ دے گا۔ لیکن اگر اسے معلوم ہو کہ میں نے جھوٹ بولا تو میرا دوست مجھ سے الگ ہو جائے گا یا وہ مجھے ملامت کرے گا تو وہ یقیناً جھوٹ سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

ہماری جماعت کے ایک مخلص دوست تھے جو شہید ہو چکے ہیں اُن کی شہادت بھی محض احمدیت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ ہندوستان کے ایک بڑے آدمی جو اُن کے ہم جماعت اور ہم ملک بھی تھے ان کو گورنمنٹ نے کسی اہم کام کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر یورپ بھجوایا۔ چونکہ ان کے ہمارے احمدی دوست کے ساتھ گہرے تعلقات تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ اگر تم نے یورپ کی مفت سیر کرنی ہو تو میرے ساتھ چل پڑو۔ میں تمہیں اپنا سیکرٹری بنا لیتا ہوں۔ ہمارے احمدی دوست نے اُن کی بات مان لی اور وہ انہیں اپنا سیکرٹری بنا کر ساتھ لے گئے۔ انگریزوں میں یہ رواج ہے کہ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں اور یوں بھی وہ کھانا کھاتے وقت باتیں زیادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کھانا اچھا ہضم ہوتا ہے۔ رات کے کھانے کے بعد وہ عموماً ایک دوسرے کو ایسے قصے سناتے ہیں جو عجوبہ روزگار سمجھے جائیں۔ جہاز میں جب دو چار دن گزر گئے اور یہ روز انگریزوں کے قصے سنتے رہے تو اُن کے جو ہندوستانی لیڈر تھے انہیں بھی جوش آ گیا اور ایک رات انہوں نے بھی اپنا ایک واقعہ سنانا شروع کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اتفاقاً اس واقعہ کے وقت میں بھی موجود تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ ایک معمولی سا واقعہ ہے مگر انہوں نے اسے ایسے رنگ میں بیان کرنا شروع کیا جس میں بہت زیادہ مبالغہ پایا جاتا تھا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید یہ کوئی اَور واقعہ بیان کر رہے ہیں مگر جب وہ آدھا سنا چکے تو مجھے یقین آ گیا کہ یہ تو وہی واقعہ ہے۔ مگر یہ اسے اَور رنگ میں بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں کہا کہ صاحب! معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ آپ کو بھول گیا ہے اُس وقت میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ یہ واقعہ اِس طرح نہیں ہوا جس طرح آپ ذکر فرما رہے ہیں بلکہ اِس طرح ہوا ہے اور وہ واقعہ بہت معمولی سا تھا۔ مگر ان کی گفتگو کی غرض تو یہ تھی کہ وہ کوئی عجوبہ بیان کریں اور اس کے لئے وہ خوب رنگ آمیزی کے ساتھ بات کر رہے تھے۔ جب ہمارے احمدی دوست نے انہیں ٹوکا اور بتایا کہ واقعہ تو یوں ہوا تھا تو وہ کہنے لگے او ہو! مجھے یاد نہیں رہا تھا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے اور وہ بات کو

دبا گئے۔ چار پانچ دن کے بعد پھر انہوں نے کوئی اَور واقعہ اسی طرح مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا مگر بدقسمتی سے اُس واقعہ کے وقت بھی ہمارے احمدی دوست موجود تھے اور وہ جانتے تھے کہ یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا اس میں کوئی معیوب بات نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ واقعہ کے نصف تک پہنچے تو وہ کہتے ہیں میں نے اِس خیال سے کہ معلوم ہوتا ہے اصل واقعہ انہیں یاد نہیں رہا انہیں کہا کہ آپ یہ واقعہ بھول گئے ہیں۔ میں بھی اُس وقت آپ کے ساتھ تھا اور میں جانتا ہوں کہ یہ واقعہ اِس طرح نہیں ہوا جس طرح آپ بیان کر رہے ہیں بلکہ اِس اِس طرح ہوا ہے۔ اِس پر وہ پھر کہنے لگے ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا۔ دراصل یہ میری غلطی ہے مجھے اصل واقعہ یاد نہیں رہا تھا۔ اس طرح وہ بات کو پھر دبا گئے۔ لیکن جب ہم کھانے کے کمرہ سے باہر نکل کر واپس جا رہے تھے تو راستہ میں انہوں نے میری گردن پکڑ لی اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے ارے فلانے! کیا جھوٹ بولنا تیرا اور تیرے باپ کا حق ہے میرا حق نہیں۔ میں نے کہا معاف کیجئے میں سمجھتا تھا کہ آپ بُھول گئے ہیں۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں تو میں آپ کو کبھی نہ روکتا۔ اب وہ بے چارہ تو جھوٹ بول کر مجلس کو خوش کرنا چاہتا تھا مگر ہمارے احمدی دوست نے اس کا لطیفہ ہی خراب کر دیا اور جو حقیقت تھی وہ واضح کر دی۔ تو جھوٹ اپنے دوست سے چُھپ نہیں سکتا۔ اگر دوسرے کے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کی بجائے اُس کو ظاہر کیا جائے اور جھوٹ بولنے والے کے خلاف نفرت اور حقارت کا اظہار کیا جائے تو اس نقص کی خود بخود اصلاح ہو جائے مگر افسوس ہے کہ جھوٹ کی بُرائی کو سمجھا نہیں جاتا۔ اور بعض دفعہ پارٹی بازی کے شوق میں ایسے لوگوں کو پریذیڈنٹ اور سیکرٹری بنا دیا جاتا ہے جو سچائی کے پورے پابند نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ماتحتوں میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت آ جاتی ہے۔

لارڈ کرزن نے اپنے زمانہ میں ایک دفعہ کہیں تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہندوستانی بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ اب یہ بات واقع میں درست تھی۔ عدالت میں ایک انگریز بھی جاتا ہے اور ہندوستانی بھی اور دونوں اپنے مقصد کے حصول کے لئے جھوٹ بولتے ہیں مگر ہندوستانی جھوٹ بولے گا تو پیٹ بھر کر بولے گا اور انگریز بولے گا تو نہایت بچ بچ کر بولے گا۔ بہرحال جب لارڈ کرزن نے یہ بات کہی تو ہندوستانیوں کو طبعاً بہت بُری لگی۔ چنانچہ اُس وقت ایک شاعر نے اس پر ایک رباعی کہی جس کا آخری مصرعہ یہ تھا کہ ع

جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

جھوٹوں کے بادشاہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ آپ بڑے جھوٹے ہیں اور یہ بھی ہو سکتے تھے کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو آپ پھر جھوٹوں کے بادشاہ ہوئے۔ اسی طرح جب کسی ایسے شخص کو صدر اور سیکرٹری بنا دیا جائے جو خود جھوٹ بولنے والا ہو تو وہ کسی دوسرے کا جھوٹ کیوں پکڑے گا۔ بلکہ وہ کسی دوسرے کو جھوٹ بولنے پر پکڑ بھی نہیں سکتا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے کسی کو پکڑا تو وہ میرے جھوٹوں کو ظاہر کر دے گا۔ یہ ایک بہت بڑا نقص ہے جس کی ہماری جماعت کو اصلاح کرنی چاہیے اور جماعت کا ادنیٰ سے ادنیٰ عہدہ اور کام بھی کسی ایسے شخص کے سپرد کبھی نہیں کرنا چاہیے جو غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہو۔ ہمارے پاس جھگڑے آتے ہیں تو بعض دفعہ دونوں فریق کے بیانات میں اتنا تضاد ہوتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیر احمدیوں کے مقابلہ میں ہماری جماعت میں بہت زیادہ سچ پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی غیر احمدی کسی کھیت میں کھڑا ہو اور اس کے سامنے کسی شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا ہو تو ہو سکتا ہے کہ عدالت میں آ کر وہ کہہ دے کہ میں تو اس کھیت میں گیا ہی نہیں تھا اور اس طرح جھوٹ بول جائے۔ مگر اتنا کھلا اور واضح جھوٹ میں نے کسی احمدی کو آج تک بولتے نہیں دیکھا۔ وہ سچ کے ماحول میں جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً کسی نے اُس کو تھپڑ مارے ہوں تو یہ کہہ دے گا کہ اس نے مار مار کر بھرکس نکال دیا۔ اس سے ہم اتنا سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے مارا ضرور ہے اگر بھرکس نہیں نکالا تو ایک دو تھپڑ ضرور مارے ہوں گے۔ یا مثلاً کسی شخص نے دوسرے کو روپیہ دیا ہے اور وہ واپس نہیں کرتا۔ اب اگر غیر احمدی اس میں ایک فریق ہو تو وہ کہہ دے گا کہ مجھے کسی نے کوئی روپیہ دیا ہی نہیں اور اس طرح روپیہ لینے سے کُلّی طور پر انکار کر جائے گا لیکن ایک احمدی جھوٹ بولنے والا ایسا نہیں کرے گا۔ ان کا آپس میں یہ جھگڑا ہو گا کہ ایک کہے گا میں نے اسے بیس روپے واپس کئے تھے اور دوسرا کہے گا اس نے بیس روپے واپس نہیں کئے بلکہ پانچ روپے واپس کئے ہیں۔ یا سمجھوتہ کوئی اَور ہوا تھا مگر عمل کسی اَور طرح ہوا ہے۔ بہر حال ایک احمدی جھوٹے کے بیانات میں واقعہ کا بیج ضرور نظر آ جائے گا۔ وہ درخت کو ٹہنیاں بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ پتے بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ پتوں کی دھاریاں بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بیج کو نہیں چھپاتا۔ اس کے مقابلہ میں ایک غیر احمدی جھوٹ بولنے والے کے بیان میں واقعہ کا بیج بھی نظر نہیں آتا۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو ہماری جماعت کے

افراد اور دوسرے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر احمدیت تو خدا تعالیٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے۔ اس میں جھوٹ کی ایک شاخ اور ایک پتّا بنانا بھی ناجائز ہے بلکہ پتّا تو الگ رہا وہ باریک باریک تاریں اور دھاریاں جو پتوں میں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک تار یا ایک دھاری بنانا بھی جائز نہیں اور مومن کا فرض ہے کہ خواہ جان چلی جائے وہ جھوٹ کے قریب نہ جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کہیں باہر سے مدینہ آیا اور لڑائی میں اُس سے ایک آدمی مارا گیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا اور اس نے اقرار کیا کہ بات ٹھیک ہے واقع میں مجھ سے قتل ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ قتل کے بدلہ میں اُسے قتل کیا جائے۔ چونکہ وہ باہر کا آدمی تھا اور مدینہ اپنے کسی کام کے سلسلہ میں آیا ہوا تھا کہ فساد ہو گیا اور اس سے ایک شخص مارا گیا اس لئے جب اُس کے قتل کا فیصلہ ہوا تو اُس نے کہا میری ایک عرض ہے اور وہ یہ کہ میری قوم مجھ پر بڑا اعتبار کرتی ہے۔ میں یہاں تجارت کے لئے آیا تھا اور مجھے پتہ نہیں تھا کہ مجھ سے یہ واقعہ سرزد ہو جائے گا۔ میرے پاس اپنی قوم کے یتامیٰ اور بیوگان کی بہت سی امانتیں پڑی ہوئی ہیں اور وہ میں نے زمین میں دبا رکھی ہیں۔ اگر میں یہیں رہا تو وہ امانتیں ضائع ہو جائیں گی اور یتامیٰ اور بیوگان کو سخت نقصان پہنچے گا۔ میری درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے اتنی اجازت دے دیں کہ میں واپس جا کر امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر سکوں۔ اس کے بعد میں اپنی سزا کے لئے یہاں حاضر ہو جاؤں گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا کہ تمہاری ضمانت کون دے گا؟ تم بدوی آدمی ہو ہمیں کیا پتہ کہ تم واپس بھی آؤ گے یا نہیں؟ جب تک تم ضمانت نہ دو تمہیں واپس جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس نے کہا میں تو مسافر ہوں اور میری یہاں کوئی واقفیت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ضامن تو بہر حال دینا پڑے گا اس کے بغیر تمہاری واپسی کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک صحابیؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرے ضامن ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس صحابیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ ضمانت دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں میں اس کا ضامن ہوں۔ آپ نے اسے چھٹی دے دی اور وہ چلا گیا۔ جب وہ آخری دن آیا جس میں اُسے واپس پہنچ جانا چاہئے تھا تو تمام لوگ اُس کا انتظار کرنے لگے۔ مدعی جن کا رشتہ دار مارا گیا تھا وہ بھی موجود تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہؓ بھی موجود تھے اور سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر وقت گزرتا گیا اور اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔

یہاں تک کہ انتظار کرتے کرتے عصر کا وقت آ گیا۔ لوگ گھبرائے اور انہوں نے اُس صحابی سے پوچھا کہ کیا آپ کو کچھ پتہ ہے کہ وہ کون تھا جس کی آپ نے ضمانت دی ہے؟ انہوں نے کہا میں تو اسے نہیں جانتا۔ وہ کہنے لگے یہ عجیب بات ہے اگر آپ اسے جانتے نہیں تھے تو آپ نے اس کی ضمانت کیوں دی تھی؟ انہوں نے کہا میں اسے جانتا تو نہیں مگر میں نے ضمانت اس لئے دی کہ اس نے سارے آدمیوں کو دیکھ کر صرف میری طرف ہی اشارہ کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے ضامن ہیں۔ جس شخص نے مجھ پر اتنی حُسنِ ظنی کی میں اُس کی اس حُسن ظنی کو کس طرح ضائع کرسکتا تھا۔ جب اس نے تمام لوگوں پر نظر ڈال کر صرف میرا ہی انتخاب کیا اور میرے متعلق اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ میں اس کی ضمانت دے دوں گا تو میں یہ بے حیائی کس طرح کرسکتا تھا کہ اس کی ضمانت نہ دیتا۔ اب صحابہؓ کو اَور فکر ہوا کہ اگر وہ نہ آیا تو یہ مخلص صحابیؓ اس کے بدلہ میں مارے جائیں گے۔ اِسی فکر میں اور پریشانی کی حالت میں سب لوگ کھڑے تھے کہ جب دھوپ کا رنگ زرد ہوگیا اور سورج غروب ہونے کا وقت آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ دور سے غبار اُڑتا نظر آ رہا ہے۔ سب کی نظریں اس کی طرف جم گئیں اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں یہ آنے والا کون شخص ہے۔ جب وہ قریب پہنچا تو وہ وہی شخص تھا جس کے قتل کا فیصلہ ہوا تھا۔ وہ اس تیزی کے ساتھ اپنی سواری کو دوڑاتا ہوا پہنچا کہ جب عین اُس مقام پر آیا جہاں اُس کا انتظار کیا جا رہا تھا تو اس کا گھوڑا دوڑانے کی شدت کی وجہ سے زمین پر گر گیا۔ اب لوگوں کو اَور زیادہ حیرت ہوئی کہ یہ عجیب انسان ہے اس کا کسی کو علم ہی نہیں تھا کہ کہاں کا رہنے والا ہے مگر پھر بھی اپنے قتل کے لئے حاضر ہوگیا حالانکہ اگر وہ نہ آتا تب بھی کوئی اسے گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ کسی نے اس سے کہا کہ تیرا تو کسی کو پتہ نہیں تھا کہ تُو کہاں کا رہنے والا ہے؟ کیا تیرے دل میں یہ خیال نہ آیا کہ میں اِس وقت نہ جاؤں اور قتل سے محفوظ رہوں؟ اُس نے کہا کیا میں ایسا بے ایمان ہوسکتا تھا کہ اپنے ضامن کو مروا دیتا اور خود بچ جاتا۔ میں نے ایک اجنبی شخص کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ میرا ضامن ہوگا۔ اس پر اس نے بغیر اس کے کہ وہ مجھے جانتا میری ضمانت دے دی حالانکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اگر میں وقت پر نہ آیا تو میری جگہ اسے پھانسی دے دی جائے گی۔ جب اس نے مجھ پر یہ احسان کیا تو میں ایسا کمینہ نہیں ہوسکتا تھا کہ اپنی جان بچا لیتا اور اس کو قتل کروا دیتا۔ پھر اس نے کہا مجھے یہاں آنے میں اس لئے دیر ہوگئی کہ امانتیں نکالنے اور ان کے واپس کرنے میں زیادہ وقت صَرف ہوگیا۔ مگر جونہی میں اس کام سے فارغ ہوا میں

نے اپنی سواری لی اور اُسے اِس تیزی کے ساتھ دوڑاتے ہوئے یہاں پہنچا۔اب میں موجود ہوں جو فیصلہ ہے اس کی تعمیل کی جائے۔ان دونوں واقعات کا یعنی اس صحابیؓ کا ضمانت پیش کرنا اور قاتل کا عین وقت پر حاضر ہو جانا ان لوگوں پر جن کا آدمی مارا گیا تھا اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم اس کا خون معاف کرتے ہیں۔اور اسلام میں یہ جائز ہے کہ مقتول کے ورثاء اگر چاہیں تو قاتل کو معاف کر دیں۔اس صورت میں اسے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی۔بہرحال اس بات کو دیکھ کر اگر یہ شخص نہ آتا تو ایک صحابی مارا جاتا اور اگر قتل کرنے والا شخص خود نہ آتا تو اس کو کوئی گرفتار نہ کر سکتا۔مقتول کے رشتہ داروں پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایسے شخص کو مروانا دنیا کا نقصان سمجھتے ہیں ہم اپنا خون اسے معاف کرتے ہیں۔تو دیکھو سچائی طبائع پر کتنا گہرا اثر کرتی ہے اور کس طرح وہ غیر معمولی نتائج پیدا کر دیا کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے آپ نے اپنا ایک مضمون اشاعت کے لئے پریس میں بھجوایا اور مسودہ کے ساتھ ہی ایک خط بھی لکھ دیا کہ اس مضمون کو اس اس طرح چھاپا جائے۔اُس زمانہ میں کسی پیکٹ کے اندر خط بھجوانا ڈاکخانہ کے قواعد کے مطابق جُرم سمجھا جاتا تھا اور لکھنے والے کو قید کی سزا بھی ملا کرتی تھی۔وہ مضمون جس شخص کو بھجوایا گیا تھا وہ عیسائی تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عِنا د رکھتا تھا۔جب اُسے مضمون پہنچا اور مضمون کے اندر ہی اُس نے خط لکھا ہوا دیکھا تو اُس نے گورنمنٹ کو رپورٹ کی کہ اس اس طرح مجھے پارسل میں خط موصول ہوا ہے اور یہ قواعد کے مطابق جُرم ہے۔گورنمنٹ نے بھی اِس کو اتنی اہمیت دی کہ اس نے ایک انگریز بیرسٹر اپنی طرف سے پیروی کرنے کے لئے بھجوایا اور اس نے بڑے زور کے ساتھ یہ معاملہ پیش کیا کہ ایسے شخص کو ضرور سزا ملنی چاہیے تاکہ باقی لوگ بھی ڈر کر اس قسم کا جُرم کرنا چھوڑ دیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو وکیل تھے انہوں نے آپ سے کہا کہ یہ تو بات ہی کچھ نہیں اس عیسائی نے خود آپ کے پارسل کو کھولا ہے آپ کہہ دیں کہ میں نے پارسل میں کوئی خط نہیں ڈالا بلکہ علیحدہ خط لکھا تھا جسے اس نے پارسل میں سے نکلا ہوا ظاہر کیا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے خط ڈالا تھا۔اس نے کہا یہ سوال ہی نہیں کہ آپ نے خط ڈالا تھا یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ اس قسم کے بیان سے آپ پھنستے ہیں۔لیکن اگر آپ کہہ دیں کہ میں نے خط نہیں ڈالا تو اُس کے پاس اِس بات کو ثابت کرنے کی

کوئی دلیل نہیں کہ اُس نے یہ خط پارسل میں سے نکالا ہے۔ اس لئے لازماً عدالت کو آپ کے حق میں فیصلہ کرنا پڑے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا یہ تو نہیں ہوسکتا۔ جب میں نے خود پارسل میں خط ڈالا ہے تو میں یہ کیسے کہہ دوں کہ میں نے خط نہیں ڈالا۔ چنانچہ آپ نے یہی بیان دیا کہ ہاں میں نے پارسل کے ساتھ ہی خط لکھ کر ڈال دیا تھا کیونکہ یہ خط اسی مضمون کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ سچائی آخر سچائی ہوتی ہے اور وہ اپنی ذات میں ایسی طاقت رکھتی ہے کہ دوسرے کا دل کانپ جاتا ہے۔ باوجود اِس کے کہ سرکاری وکیل انگریز تھا، مقدمہ بھی ایک انگریز کے پاس تھا اور مقدمہ کرنے والی گورنمنٹ تھی۔ جب انگریز وکیل پندرہ بیس منٹ بڑے جوش سے تقریر کر لیتا کہ ملزم کو عبرتناک سزا دینی چاہیے تو مجسٹریٹ اپنا سر ہلا کر کہہ دیتا کہ نہیں نہیں۔ وہ پھر تقریر کرتا اور مجسٹریٹ پھر اپنا سر ہلا کر کہہ دیتا کہ نہیں نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انگریزی تو نہیں جانتے تھے لیکن آپ فرماتے تھے کہ جب وہ نو نو (No. No) کہتا تو میں سمجھ جاتا کہ وہ وکیل کی تردید کر رہا ہے۔ آخر اس نے آپ کو بَری کر دیا اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ یہ شخص اگر انکار کر دیتا اور کہہ دیتا کہ میں نے پارسل میں خط نہیں ڈالا تو میں اسے سزا نہیں دے سکتا تھا۔ مگر باوجود اِس کے کہ انکار کرنا اس کے لئے آسان تھا پھر بھی اس نے سچ بولا اور بہادری کے ساتھ کہہ دیا کہ میں نے واقع میں پارسل میں خط لکھ کر ڈالا ہے۔ جو شخص اِتنی دلیری کے ساتھ سچ بولنے والا ہو میں اُسے سزا نہیں دے سکتا۔

تو سچائی اپنے اندر ایک بڑا رُعب رکھتی ہے۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ سچائی کی اہمیت کو سمجھے اور کسی موقع پر بھی اس سے انحراف اختیار نہ کرے۔ اگر آپ لوگ سچائی پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہزاروں ہزار آدمی جو ملانوں کے بہکانے کی وجہ سے آج ہماری جماعت کی مخالفت کر رہے ہیں وہ آخر آپ کی گواہیوں پر ہی اعتبار کریں گے اور آپ کی عظمت کا اقرار کریں گے اور اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کے بھی نئے سے نئے رستے کھل جائیں گے۔ (انشاءاللہ)" (الفضل مورخہ 5 ستمبر 1950ء)

1: شملہ: کندھے پر ڈالنے یا سر سے باندھنے کی شال (فیروز اللغات اردو جامع)